مہدی معاویہ

اسلامی انقلاب کیسے ممکن ہے؟

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام منعقدہ مذاکرہ کی روداد

اسلام میں جمہوریت کا کوئی تصور نہیں۔

۱۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو بعد نماز مغرب قرآن آڈیٹوریم لاہور میں "اسلامی انقلاب کے طریقہ کار" کے موضوع پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا۔ جس کے داعی امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تھے۔ مقررین میں محترم سید عطاء المحسن بخاری، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کے اسماء شامل تھے۔ تنظیم اسلامی گزشتہ سال اکتوبر میں بھی اپنے انیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک ایسے ہی مذاکرے کا اہتمام کر چکی ہے۔ پروگرام سے ایک روز قبل تک اس مذاکرے میں دو ہی مقررین کی گفتگو کا نظم طے تھا۔ لیکن آخری دن محترم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا گیا۔ محترم سید عطاء المحسن بخاری کو تنظیم اسلامی کی طرف سے جو دعوت نامہ موصول ہوا اس کے شیڈول کے مطابق ہر مقرر کو خطاب کے لئے ۴۵ منٹ اور سوالات کے جوابات کے لئے ۱۵ منٹ دیئے گئے تھے۔ تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق سٹیج سیکرٹری تھے۔

انہوں نے تمہیدی کلمات کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوت خطاب دی، ڈاکٹر صاحب نے بحیثیت میزبان، مہمان مقررین کا شکریہ ادا کیا اور تنظیم اسلامی کے تعارف، اغراض و مقاصد طریقہ کار اور مذاکرے کی غرض و غایت پر مختصر گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد سٹیج سیکرٹری صاحب نے مجلس احرار اسلام کے ناظم اعلیٰ سید عطاء المحسن بخاری کو دعوت خطاب دی۔ محترم شاہ صاحب نے اپنے مقررہ وقت سے بھی دس منٹ پہلے ۳۵ منٹ میں اپنی گفتگو مکمل کی اور اسلامی انقلاب کے طریقہ کار کے حوالے سے قرآن کریم، حدیث رسول ﷺ اور اجماع امت یعنی صحابہ کرامؓ کے عمل کی روشنی میں تین قرآنی اصول بیان کئے۔ (۱) دعوت الی الخیر، (۲) امر بالمعروف (۳) اور نہی عن المنکر۔

اور ان امور کی انجام دہی کے لئے اسوہ رسول اور تعامل صحابہ کو حجت قرار دیا۔ اور باقی گفتگو سوالات کے جوابات پر معلق کر دی۔ ان کے بعد محترم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب نے گھنٹہ بھر اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا اور پھر ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری صاحب نے مقررہ وقت کو

ناکافی قرار دیتے ہوئے اپنی گفتگو کے لئے ڈیڑھ گھنٹہ وقت لینے کا مطالبہ کیا اور اپنی گفتگو تقریباً اتنے ہی وقت میں مکمل کی۔

ان حضرات نے جو کچھ بیان فرمایا اس وقت وہ ہمارے پیش نظر نہیں اور نہ ہی ہم کسی کی نیت پر شبہ کا کوئی حق رکھتے ہیں۔ ہر جماعت اپنے اپنے دائرہ کار میں دین کا کام کر رہی ہے۔ اگر اخلاص شامل ہے

اسلام ہماری رائے کو پابند کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور کامیابی عطاء فرمائیں گے۔

منتظمین نے سوال و جواب کی نشست کو ختم کر دیا اور سامعین کے ذہنوں میں مقررین کی گفتگو کے حوالے سے جو سوالات ابھرے تھے وہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ یہ کونسی مصلحت یا حکمت عملی تھی؟

البتہ ہفت روزہ ندائے خلافت (ترجمان تنظیم اسلامی) ۲۴ جنوری ۱۹۹۵ء کے شمارہ میں اس مذاکرہ کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کے رپورٹر جناب نثار احمد ملک کو گلہ ہے کہ شاہ صاحب نے تبدیلی کے لئے اسوۂ رسول کو معیار قرار دیا مگر وہ اسوہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت وہ چنداں نہ کر سکے، اور یہ کہ شاہ صاحب عملاً اقامت دین کی جدوجہد میں منظم انداز میں مصروف نہیں لہذا اس راستے کے سنگ ہائے میل سے بھی واقف نہیں۔ اور یہ کہ مجلس احرار اسلام کے پیش نظر اقامت دین یا اسلامی انقلاب کی منزل بطور خاص نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خیالات کو تنظیم اسلامی کے محترم رہنماؤں کی تائید بھی حاصل ہے۔ اقامت دین کی جدوجہد کے حوالے سے ان کا جملہ محض الزام اور نیت پر شبہ کرنے کے مترادف ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیا اقامت دین کا کام صرف تنظیم اسلامی کر رہی ہے؟ اور جو لوگ ان کے طریقہ کار یا خواہش کے مطابق کام نہیں کر رہے وہ اقامت دین کا کام نہیں؟ اس طرز عمل کو کسی بھی صورت مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شاہ صاحب نے انتہائی مختصر وقت میں اصولی گفتگو فرمائی جو تفصیل تنظیم اسلامی کے احباب کو مطلوب تھی اس کے لئے انہیں سوال و جواب کی نشست میں اپنی تشنگی دور کر لینی چاہیے تھی۔ ندائے خلافت کے رپورٹر نے تو ڈاکٹروں کی "تثلیث" کو ہی اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ قرار دے دیا ہے۔ اللہ کرے ڈاکٹروں کی یہ بیل منڈھے چڑھے ہم تو دعا گو ہیں۔

محترم سید عطاء المحسن بخاری صاحب کی تقریر کا مکمل متن آئندہ صفحات میں ہم قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر شاہ صاحب کی مستقل تحریر نقیب کی آئندہ کسی اشاعت میں شامل کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

عصر حاضر میں نفاذ اسلام کیسے ہو گا؟

تنظیم اسلامی کی دعوت پر قرآن آڈیٹوریم لاہور میں سید عطاء المحسن بخاری کا خطاب

الحمد لله الذی لم یتخذ ولداً اولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ، ولی من الذل وکبرہ تکبیرا سبحانہ و تعالی عمایقولون علواً کبیراً۔ ونشھدان لاانہ الاللہ وحدہ لاشریک لہ فی الخلق والامر و نشھدان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ سید الخلائق والبشر المبعوث الی الاسود والاحمر۔ لانبی بعدہ ولارسول بعدہ، ولا معصوم بعدہ، ولا امام بعد ولامتہ بعد امتہ

اعوذبالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

ولتکن منکم امة یدعون الی الخیرو یا مرون بالمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون۔ صدق الله العظیم۔

سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو جسے شجرۂ رضوان کہتے ہیں محض اس لئے کٹوا دیا کہ لوگ وہاں آکے دو دو نفل نماز پڑھتے تھے، اس کی تقدیس و تبریک دلوں میں بہت بیٹھ چکی تھی، سیدنا عمر ابن الخطاب کو اطلاع ہوئی کہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد فرمایا اگر آج کے بعد مجھے اس بات کا علم ہوا کہ تم لوگ یہاں آکے یہ کام کرتے ہو تو میں تمہیں تلوار سے اس طرح قتل کروں گا جس طرح مرتد کو قتل کیا جاتا ہے۔ (اخبار عمرو عبداللہ بن عمر ص ۳۱۷)

الیکشن کے ذریعے اسلامی انقلاب ممکن نہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ کچھ صحابہ رضی اللہ عنہ کسی بات کا مفہوم اس انداز سے پوچھا کہ اس کے فوائد کیا ہیں؟ سیدنا فاروق اعظمؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا۔

"ولاندع کنا نفعل فی حیٰوة رسول الله"

ہم نہیں چھوڑیں گے اس عمل کو جو حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں سرانجام دیا کرتے تھے چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس لئے کہ قیاس انسانی شرائع واحکام میں وہاں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی حکمت بالغہ متعین فرمائی۔ کچھ سمجھ میں آگئی تو سبحان

اللہ نہ سمجھ میں آئے تو اس کو علت نہیں بنانا چاہیئے کہ، فائدہ نظر آئے تو عمل کیا جائے، فائدہ نظر نہ آئے تو عمل سے خالی جھولی لے کر اٹھ جائیں.......... یہ دو واقعے بنیاد ہیں اس بات کی ہم دین پر عمل کیسے کریں؟ دین کو قائم کیسے کریں؟ اقامت دین کیونکر ممکن ہے؟ اس کائنات میں، اس دارالفاسقین میں خصوصاً ہم لوگ جو اپنے تیئں مدعی ہیں کہ ہم دین کے سپاہی ہیں، دین کے خادم ہیں، دین کے نوکر چاکر ہیں، ہم اس ذمہ داری سے کیونکر عہدہ برآ ہوں، سیدھی سی بات ہے کہ وہ کام جو ہماری اپنی عقل، اور اپنی پسند کی بنیاد پر ہو وہ دین نہیں ہے۔ دین وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہم پر واجب ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو مصلے پر کھڑا کر دیا اور کسی سے مشورہ نہیں لیا؛ اور رسول اللہ ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد سیدنا علیؓ گھر سے باہر نکلے

فسمع مقالةً مضآدةً

کچھ ملی جلی باتیں سنیں "وقال" اور فرمایا "ایکم" کون ہے تم میں سے

من یوخر من قدم رسول اللہ

کہ جو اس کو پیچھے ہٹائے جسکو نبی نے آگے کیا ہے،

"رضیہ لدیننا فرضیناہ لدنیانا"

یہاں کوئی انتخاب؟ کوئی ووٹ؟ کچھ بھی تو نہیں۔ نہ نبی نے کچھ کیا اور نہ علی نے اس کا کوئی سد باب کیا۔

ہمارے ملک میں ہم سے بہتر لوگ اس فلسفے کو اجاگر کرتے ہیں کہ اسلام میں انتخاب ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ یہاں انتخاب کہاں گیا؟

دارالفاسقین میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہی تبدیلی آئے گی۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو وصیت لکھوا رہے ہیں وصیت لکھواتے لکھواتے "غشی علیہ" آپ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اور سیدنا عثمانؓ اسی بے ہوشی کے عالم میں خلافت کے لئے جس شخص کو نامزد فرماتے ہیں۔ وہ سیدنا عمرؓ ہیں۔ "فلما افاقہ" جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کیا لکھا آپ نے؟ عرض کیا میں نے عمر کا نام لکھ دیا فرمانے لگے خدا کی قسم تم اپنا نام بھی لکھ دیتے تو مجھے منظور تھا۔ کہاں گیا انتخاب؟ وہ الیکشن کیا ہوا؟ اس کا تصور تک نہیں ملتا۔ اور جو لوگ اس انداز سے اسلام میں ترمیم کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے چھے آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ اور ان میں سے پانچ

اسلامی انقلاب کا پہلا مرحلہ دعوت الی الخیر ہے۔

بزرگوں نے ایک کے ذمہ لگا دیا کہ جو فیصلہ آپ کریں گے ہمیں منظور ہو گا۔ اور وہ ہیں سیدنا عبدالرحمن ابن عوفؓ! انہوں نے فرمایا کہ "سألت شابا وشیخاً" بڑے بوڑھے سے بھی پوچھا، جوانوں سے بھی پوچھا، بچوں سے بھی پوچھا "لایظنون احداً بعثمان" کہ وہ حضرت عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے لہذا میں عثمان کو نامزد کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔ یہاں ایک سوال ہے کہ جو لوگ مدینہ طیبہ میں تھے۔ اور حضور ﷺ سے فیض یافتہ تھے آج بھی ویسے لوگ ہیں؟ کہ ان سے پوچھا جائے؟ کتنے لوگ ویسے ہیں اور کہاں ہیں؟ قرآن تو کہتا ہے۔

"لا تقبلوا لهم شهادة ابداً واولئک هم الفاسقون

ایک ہی آیت سارے پاکستان کے لئے کافی ہے کہ جھوٹوں سے گواہی کبھی نہ لو کہ وہ فاسق ہیں۔
جھوٹا تو بہ کرے، پھر بھی نمبر دو ہے نمبر ایک وہی ہے جو جھوٹ نہیں بولتا جھوٹ بولنے والا لعنت کا مستحق ہے باقی اعمال خبیثہ کا تو ذکر ہی کیا؟ اسی ایک عمل خبیث کی پاداش میں آدمی گواہی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتا ہے ووٹ کو اگر گواہی سمجھ لیا جائے تو پھر کس کی گواہی معتبر ہے۔ جبکہ یہ گواہی نہیں ہے۔ رائے ہے۔اور اس نظام خبیث میں، عیسائی یہودی، بالمیکی، زرتشتی، بدھسٹ وغیرہ وغیرہ ان سب کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ ہر آدمی کی رائے ہے اور اسے رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ آزادیٔ رائے ہے۔ اسلام تو آزادیٔ رائے نہیں دیتا۔ اسلام کہتا ہے کہ بچہ پیدا ہو تو کان میں اذان دو، رائے پابند ہو گئی۔ ختنے کراؤ، بال منڈواؤ اور اس کے برابر چاندی صدقہ کرو صبح کو اٹھو تو پڑھو

الحمد لله الذی احیانی بعد اماتنی والیه النشور

رات کو سوتے وقت، شمال کی طرف سر کرو جنوب کی طرف پاؤں کرو، قبلہ کی طرف منہ کرو، دائیں گال کے نیچے ہاتھ رکھو اور یہ پڑھو

اللهم باسمک اموت واحیا

ہماری تو قدم قدم پر رائے پابند ہے۔کہاں ہے آزادیٔ رائے؟ اور جس شخصی رائے کا تصور اس مردود جمہوریت نے دیا ہے وہ تو سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے، قسر کاء بدر کو سیدنا عمرؓ نے مدینہ میں پابند کر دیا کہ تم مدینہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ جمہوریت کے حوالے سے شہری آزادیاں تو سلب ہو گئیں۔ یہ تمام باتیں جو میں موازنہ کر کے عرض کر رہا ہوں ان کا وہی علاج ہے جو شجرہ بیعت رضوان کا ہوا۔ یعنی ان کو ترک کرنا۔ ان کو چھوڑ دینا اور ان سے مزاحم ہونا بہت ضروری ہے۔ ان سے مفاہمت کرنا علاج نہیں ہے، ان سے مصالحت کرنا، حکمت کا تقاضا، ماحول، وقت، نظریۂ ضرورت، سب جھوٹ؟ نفس کی

تسلیوں کا ایک حصہ ہے اور بس! انسانی نفس کا بھی عجیب حال لکھا ہے کہ آپ گندم صاف کر کے ہر چیز سے پاک کر کے اسے بوتے ہیں۔ اس کے ساتھ پھر کچھ بوٹیاں اگ آتی ہیں۔ یہی انسانی نفس کا حال ہے اس کی صفائی پر جتنی محنت کر لیجئے اس کے ساتھ پھر کوئی نہ کوئی آلائش لگی رہے گی۔ اور یہ اسی کو پسند کریگا۔ پابندیوں سے بھاگتا ہے، گھبراتا ہے،

تبدیلی کا سب سے پہلا قدم دعوت الی الخیر ہے۔ اور دعوت الی الخیر یوں نہیں بلکہ اس طرح جس طرح نبی الانبیاء خاتم النبیین ﷺ نے دعوت دی، حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں۔

میں، میرا والد، میری والدہ ہم ایک خچر پر سوار جا رہے تھے۔ کہ سامنے سے حضور پر نور ﷺ تشریف لے آئے۔ ہمیں روکا، میں اور میرا والد اتر گئے، اماں نہیں اتریں، تو حضور ﷺ نے دو تین جملوں میں ایک نصیحت کی کہ "دیکھو یہ زندگی جو تم گذار رہے ہو اس زندگی کے احتساب کے لئے ایک دن آنا ہے اسمیں تم نے جو کچھ کیا وہ سب اس دن تمہارے سامنے آئے گا۔ تم سے پوچھا جائے گا۔ حساب کتاب ہو گا، تم اپنی اس زندگی کو سنوار لو۔" یہ کہا اور تشریف لے گئے۔۔۔ یوں اس انداز سے دعوت الی الخیر کے لئے ہمیں گلی گلی کوچے کوچے جانا ہو گا۔ اپنی شیخ الاسلامی کو قربان کرنا ہو گا۔ اپنی جھوٹی، ڈیموکریٹک پرسنیلیٹیز کو ذبح کرنا ہو گا۔ اس دور کی رکھ رکھاؤ کی زندگی کو، ان طریقوں اور ان وطیروں کو خیر باد کہنا ہو گا۔ اگر ہم نے کام کرنا ہے تو! اگر ہم نے تبدیلی لانی ہے تو!

قرآن نے ملوکیت کو نبوت کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔

دعوت الی الخیر کے عمل کو اسی انداز سے کیجئے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بنفسہ کیا۔ اور پھر فرمایا قتال کر کے تم خود بھی مرو اور لوگوں کو بھی مارو اس سے بہتر میں یہ پسند کرتا ہوں کہ تم لوگوں کو محبت اور آشتی سے اسلام کی طرف لے آؤ۔

ایک حدیث شریف کا مضمون یہ ہے۔

دعوت الی الخیر کا کام اتنی قوت اور اتنی شدومد سے کریں اور اس اخلاص، قربانی وایثار سے کہ ہم امر بالمعروف کی قوت حاصل کر لیں، جب تک امر بالمعروف کی قوت حاصل نہیں ہو گی۔ ہم دین کو قائم نہیں کر سکتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اقیموا الصلوٰة ولا تکونوا من المشرکین

نماز قائم کرو اور مشرک نہ بنو۔ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو نماز قائم نہیں کرتا وہ مشرک ہے۔ اب امر بالمعروف کا تقاضا کیا ہے، اس کی ایک چھوٹی سی مثال سعودیہ میں ملتی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو تو شُرطے

آجاتے ہیں۔ دکان بند کرو، چلو نماز کے لئے!

ورنہ آئمہ کرام رحمھم اللہ نے تو لکھا ہے کہ جو نماز نہ پڑھے اسے قید کردو، جب تک نماز کا عادی نہ بنے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو نماز نہ پڑھے اسے سلام مت کرو، اس پر عمل کرنے کے لئے کیا ہو سکتا ہے۔؟

آپ، سب، میں، محترم ڈاکٹر صاحب قبلہ، اور دیگر تمام زعماء ملت اسلامیہ ہم سب مل کے بھی اقامت صلوٰۃ پر عمل کرا سکتے ہیں؟ نہیں! داڑھی والے کی بات تو پاکستان کا کوچوان بھی نہیں سنتا۔ دولت والا سرمایہ دار اور جاگیر دار، یہ بھلا میری بات کیوں سنے گا؟ وہ تو سمجھتا ہے کہ میں کمی ہوں۔ مردے نہلاتا ہوں، کفن پہناتا

تبدیلی لانی ہے تو لوگوں کو محبت و آشتی سے دین کی طرف بلانا ہوگا۔

ہوں، اسکا مردہ دفناتا ہوں، پھر سال بھر اس کے دروازے پر روٹیاں توڑتا ہوں، میں تو کمی ہوں اسکا! میری بات بھلاوہ کیوں مانے اس قوم کی عادت بھی یہی ہے کہ یہ طاقت والے کے آگے آگے اور دولت والے کے پیچھے پیچھے ہے آپ دعوت الی الخیر سے طاقت پیدا کریں۔ پھر امر بالمعروف کریں۔ پھر میں دیکھوں کون بات نہیں مانتا پھر میرے علم میں ہوگا کہ محلے میں کیا ہوتا ہے، میں مرزائیوں سے سلام نہیں کروں گا۔ ان کا بائیکاٹ کروں گا۔ میرے پاس طاقت ہوگی تو کروں گا۔! مال کی طاقت، اقتدار کی طاقت اور یہ تو نمبر دو تین کی چیزیں ہیں۔ اصل چیز اپنے اندر اور اپنے ماحول میں ایمان کی طاقت ہے، جس کی مثال ہمیں صدیوں پہلے جناب سیدنا صدیق اکبرؓ خلیفۂ بلا فصلِ رسول کی زندگی میں ملتی ہے۔ سینتیس صحابہ تھے، عرض کیا بارگاہ رسالت میں کہ ہم بہت ہو گئے ہیں، اب تو ہم دعوت کعبۃ اللہ میں دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں ابھی نہیں۔ کچھ دنوں بعد پھر یہی سوال کیا، حضور ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں، پھر وہ داعیہ اٹھا، پھر عرض کیا یا رسول اللہ ہم بہت ہو گئے ہیں اجازت دیں، ہم دعوت الی الحق علانیہ کعبۃ اللہ میں دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آؤ چلو، وہاں پہنچے بڑے بڑے وڈیرے اور ڈیموکریٹ قرآن جن کو دابۃ کہتا ہے، یہ دابے بیٹھے ہوئے تھے۔ دو پاؤں پر چلنے والے خوبصورت جمہوری جانور بڑے موجود تھے۔ وہاں صدیق اکبرؓ اندر داخل ہو گئے اور کھڑے ہو کر فرمایا! لا الہ الا اللہ۔ ابھی یہ جملہ منہ میں ہی تھا۔ کفار کے وڈیروں (قبحہ اللہ) نے پکڑ کے مار مار کے حلیہ بگاڑ دیا۔ ابوبکر صدیق زخمی ہو گئے۔ جسم لہولہان ہو گیا آپ کے قبیلے کو علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم بدلہ لیں گے اگر ابوبکر کو کچھ ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ حصہ بھی شامل ہے اس دعوت الی الخیر میں۔ دعوت الی الخیر میں عزیمت ہے۔ رخصت نہیں ہے۔ رخصتوں پر عمل کرنے والا داعی نہیں بن سکتا۔ ہم داعی نہیں ہیں ہم تو رخصتوں

پر عمل کرتے ہیں۔ سہولتوں کو حاصل کرتے ہیں آسائشوں کے پرستار ہیں۔ پرسنیلٹی وائز کام کرتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے سورۃ العصر کی تفسیر میں لکھا ہے کہ زمانے کی تاریخ گواہ ہے۔ والعصر کا معنٰی۔ زمانے کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ رخصتوں پر عمل کرنے والی قوم، رخصتوں پر عمل کرنے والے زعماء رخصتوں پر عمل کرنے والے داعیان اس مقام پر فائز نہیں ہوسکتے جس کا دین تقاضا کرتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اذیت نہ اٹھائی ہو۔ جس پر مصیبتوں کے پہاڑ نہ توڑے گئے ہوں۔ اور حضور ﷺ! آپ تو فرماتے ہیں کہ اوذیت فی اللہ کہ مجھے اللہ کے راستے میں اتنا دکھ دیا گیا کہ پچھلے سارے انبیاء کو اتنے دکھ نہیں دیئے گئے۔ دکھ اٹھائے بغیر دعوت الی الخیر کا کام نہیں ہوسکتا۔

دعوت الی الخیر کے بعد امر بالمعروف کی طاقت حاصل ہوگی پھر نہی عن المنکر کی طاقت ملے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئی لیکن اس پر محنت درکار ہے۔ اور محنت بھی ویسی جیسے سیدنا عبد اللہ ابن عمرؓ رضی اللہ عنہما نے حضور پر نور ﷺ کا ارشاد گرامی روایت کیا ہے

لا یصلح آخر هذه الامذالاّ بماصلحت اولها۔

اس امت کا آخری حصہ بھی اسی طرح اصلاح پذیر ہوگا جس طرح پہلا طبقہ۔

جنگ کا اور یہ ہے محنت کا یہ انداز، اختیار نہیں کریں گے تو بہت مشکل ہوگی ناممکن بھی کہ دوں تو غلط نہ ہوگا۔ انگریز ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلہ کے بعد قابض ہوگیا۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے اس نظام کو متعارف کرایا۔ آج ۱۹۹۵ء ہے ایک سو کچھ برس میں اس نے ہمارے دل و دماغ سے اس دین کی خیر و برکت کا تصور تک

شخصی آزادی کا تصور یہودیوں نے دیا ہے۔

رخصتوں پر عمل کرنے والے داعی کے مقام پر فائز نہیں ہوسکتے۔

غائب کر دیا۔

یہ اس کی محنت ہے۔ آج اس کے علی الرغم پوری قوت اور شد و مد سے محنت ہو تو پھر کام بنے گا۔ قرآن کریم نے اس سلسلے میں بہت سی باتیں فرمائی ہیں اور۔ قرآن کا دعوی ہے کہ "وکل شئی فصلنہ تفصیلاً" کہ ہم نے بڑی کھول کھول کے باتیں کہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھ جیسے آدمی کو کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ تفصیلات اس میں موجود ہیں، مثلاً اللہ پاک نے حضور پر نور ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه وکان امره فرطا

جن کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کی اطاعت مت کرو، ان کی بات

مت مانو، ان کی خواہشات کا احترام نہ کرو۔وہ اپنی پسند پر چلتا ہے۔ اور وہ حد سے گزر چکا ہے۔ جیسا کہ ہم لوگ یہاں پاکستان میں حد سے گزر چکے ہیں۔ دین کی کوئی بات ہواسکو ملاازم کہہ کے رد کرتے ہیں۔ بڑا آسان راستہ ہے بڑی خوبصورت گالی ہے، ، پردے کا مسئلہ ہو، ہو جسم کی نمود و نمائش کا مسئلہ ہو، ملاازم ہے جی! چھوڑو مولویوں کی باتوں کو! عورت کو وہ مقام ملنا چاہیئے جو جمہوریت کہتی ہے یعنی جو یہود و نصاریٰ کہتے ہیں۔ اور اللہ پاک فرماتے ہیں

ولا تطع الکافرین والمنافقین

کافروں اور منافقوں کی بات مت مانئے قرآن پاک میں بڑی واضح بات ہے

لا تتخذو الیھود وانصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض

یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

دوسری جگہ ہے

لا تتخذواعدوی وعدوکم اولیاء

تمہارے دشمن، اللہ کہتا ہے میرے بھی دشمن ان کو دوست مت بناؤ۔ ان کی بات ماننا، ان کا نظام قبول کرنا یہ دوستی ہی تو ہے اور کیا ہے۔؟

کہتے ہیں کہ سوشلزم کفر ہے۔۔۔اور جمہوریت اسلام ہے؟ اپنی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر جمہوریت اسلام ہے تو پھر کیپٹلزم، مکیاولی کی بادشاہت یورپ کا کنگ ازم اور دیگر نظام ہائے دنیا کیا ہیں؟اور تماشا یہ ہے کہ ہمارے ہم مذہب نے ہمیں یہ سبق دیا کہ ملکویت لعنت ہےاور ایک طوفان برپا کر دیا قرآن میں تو بالکل مختلف بات ہے۔

واذ قال موسیٰ لقومہ یقوم الذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا واتاکم مالم یؤت احداً من العالمین۔

موسیٰ علیہ السلام تو اسکو اللہ کی نعمت کہتے ہیں نبوت کے ہم پلہ ہے۔ اور تم اسے لعنت کہتے ہو، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو خطاب کیا اور فرمایا

ان ملکت امراً فا حسن

تو کیا یہ خوشخبری ایک بری چیز کی تھی، بری چیز کی بھی خوشخبری ہوتی ہے؟

"ان ولیت امراً، ان ولیت امراً کیف بک ان قمصک اللہ قمیصاً"

یہ الفاظ یہ لب و لہجہ کسی بری بات کی بشارت ہے؟ نہیں۔ ملوکیت اگر اسلام میں بری ہوتی تو یہ بشارت کے الفاظ نہ ہوتے کچھ اور کہا جاتا۔ پھر وہ کہا جاتا جو پاکستان میں لوگ کہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے قدم یہاں پھسلے

ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ یہاں تو ملوکیت بھی نہیں ہے۔ خلافت تو بڑی دور کی بات ہے۔ مجھے امید ہے آپ ناراض نہیں ہوں گے، "حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کیا خیال ہے تیرا تو میرے بعد کیسے فیصلے کرے گا؟ کہنے لگا حضرت عمرؓ کی اتباع کروں گا۔ کہنے لگے سبحان اللہ میں تو عثمان و علی کی اتباع نہ کر سکا اور تو عمر کی اتباع کرے گا۔ تو میری ہی اتباع کرے تو بڑی بات ہے۔" اس زمانے میں آپ حضرت معاویہ ہی کی اتباع کر لیں تو بہت بڑی بات ہے۔ پنجگانہ نماز تو پابندی سے پڑھ نہیں سکتے، فرائض کی ادائیگی ویسے ہی نہیں عبادات کے حقوق ہم سے ادا نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کو ہم یوں چھوڑتے ہیں جس طرح ہم اپنی ناپسند چیز کو چھوڑتے ہیں۔ نبی کی پسند کو معیار قرار نہیں دیتے اور اپنی پسند کو معیار قرار دیتے ہیں۔ کسی نماز کی بات لیجیے اور دیکھیے ہم نماز میں کتنی سنتیں چھوڑتے ہیں۔ صرف ایک اسی بات پر غور فرمائیں۔ باقی اعمال تو اس سے الگ تھلگ ہیں۔ ان کا اپنا اپنا مقام ہے، اپنا اپنا دائرہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت اسامہ ابن زید کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ وہ تمام صحابہ سے چھوٹے تھے۔ اجلہ صحابہ موجود تھے۔ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ کے بعد سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس کام کو سب سے پہلے کیا اجلہ صحابہ نے یہ کہا کہ خلیفہ رسول کچھ انتظار کر لیجیے، مدینہ طیبہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بوڑھے بوڑھے لوگ ہیں یا خواتین ہیں بچے ہیں۔ بڑے نہیں ہیں۔ جوان نہیں ہیں۔ سنبھالنے والے نہیں ہیں۔ کسی حادثے سے دوچار ہو سکتے ہیں...... بڑے سخت الفاظ ہیں۔ میں اگر بھول جاؤں تو میری اصلاح کر دیجئے گا۔

سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا جنگل کا کوئی کتا امہات المؤمنین کو پکڑ کے گھسیٹ لے مگر اس کام کو نہیں چھوڑوں گا۔ جو نبی نے کیا۔ جو کرنا تھا اور باقی رہ گیا میں اسکو پورا کر کے رہوں گا۔ آج بھی یہی جذبہ ضروری ہے کہ ہم اس کام کو نہ چھوڑیں جو نبی نے کیا ہے۔ اس کو کرتے چلے جائیے۔ انشاء اللہ تعالی تبدیلی لازماً آئے گی۔

مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین تھے اللہ کا نام نہیں لینے دیتے تھے وہاں تبدیلی آگئی اس انداز اور محنت سے۔ آج تو کروڑوں اذانیں ہوتی ہیں۔ لاکھوں لوگ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ دین کے ساتھ رغبت بھی ہے۔ تعلق بھی ہے۔ نسبتیں بھی ہیں۔ آج بھی دین کا کام اگر اسی انداز سے کیا جائے گا تو کامیابی ہوگی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

زمانہ		آج	فالج	بانٹتا	ہے
دوا		اسکی	معالج	بانٹتا	ہے
مگر		حافظ	کا	کاروبار	دیکھو
کہ	یہ	کالج	میں	نالج	بانٹتا	ہے